ترجمہ و تلخیص

برصغیر کا سیاسی ادب (عربی زبان میں)

ڈاکٹر احمد ادریس

مترجم: پروفیسر محمد حسان خان

ادب جب اپنی سوسائٹی کے دائرے سے ہٹ کر پروان چڑھتا ہے تو وہ سیاسی موضوعات کو زیرِ بحث لاتا ہے اور اس سے متاثر ہوتا ہے۔ ہماری رائے میں اس قسم کا ادب برِصغیر میں اس وقت پیدا ہوا جب وہ سلطانوں کے دربار سے باہر آ گیا۔ قلم و دماغ آزاد ہو گئے اور ایسے موضوعات پر قلم اٹھایا جانے لگا جو پہلے شجرِ ممنوعہ تھے۔

پہلی خصوصیت:

میرے قول کی دلیل یہ ہے کہ جو کچھ ادب آج ہمارے ہاتھ میں ہے وہ انیسویں اور بیسویں صدی کے ادباء کا لکھا ہوا ہے، یہ برصغیر کے عربی سیاسی ادب کی بڑی اہم خصوصیت ہے۔

دوسری خصوصیت:

اس ادب کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نے ہندوستان کے داخلی مسائل کو بالکل ہاتھ نہیں لگایا، یا بہت کم موضوعِ تحریر بنایا۔ اس کے بالمقابل بین الاقوامی مسائل میں اس کا بہت زیادہ اہتمام نظر آتا ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا زوال اور برطانیہ کا اس ملک پر قبضہ، انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کا ۱۸۵۷ء کا انقلاب، ہندو پاکستان کی تقسیم، پاکستان کا قیام، دونوں ملکوں کی جنگیں اس کے علاوہ بہت سے اہم موضوعات ہیں جن کو ادباء نے بالکل نہیں چھیڑا ہے۔

مشہور سیاسی لیڈر بہادر یار جنگ (متوفی ۱۹۴۱ء/۱۳۶۱ھ) پاکستان کی تحریک

کے بڑے لیڈر رہے۔ وہ محمد علی جناح کے ساتھی شمار ہوتے ہیں۔ ان کی سیاسی اہمیت بھی بہت تھی۔ دوسری زبانوں میں ان کی کئی سیاسی تصنیفات ہیں۔ لیکن جب وہ عربی میں قلم اٹھاتے ہیں تو صرف معلقہ امرأ القیس پر تحریر کرتے ہیں۔ یا عظیم شاعر الطاف حسین حالؔی نے امت مسلمہ کے لیے اردو میں ملحمہ لکھا جو 'مسدّس حالی' کے نام سے مشہور ہے۔ انھوں نے عربی میں اس جیسا کچھ نہیں لکھا۔ کاش وہ یہ مسدس عربی میں تحریر کرتے۔

مسلمانوں کے مسائل، بین الاقوامی سلگتے مسائل، جیسے عثمانی خلافت کا سقوط اور اس کی تائید میں بر پا تحریک خلافت جو ہندوستان کے علماء اور سیاست دانوں نے قائم کی تھی، پہلی اور دوسری جنگ عظیم، فلسطین کا سانحہ، اسلامی اتحاد جس کے داعی جمال الدین افغانی تھے، پڑوسی ایران اور افغانستان جہاں بڑے اہم مسائل جنم لے رہے تھے، ان سب حادثات وواقعات نے ہمارے عربی ادباء کو قلم اٹھانے پر آمادہ نہیں کیا۔

تیسری خصوصیت:

اگر مندرجہ بالا موضوعات پر کبھی تحریر کی نوبت آئی بھی تو ضمناً۔ براہ راست ان موضوعات پر نہیں لکھا گیا، بلکہ ان کا تذکرہ دوسرے موضوعات پر گفتگو کے دوران آیا۔ جیسے عثمانیوں اور روسیوں کی جنگ کا ذکر مولانا فیض الحسن سہارنپوری اور مولانا ذوالفقار علی کے اس قصیدہ میں ہے جو سلطان عبدالحمید کی مدح میں ہے۔ ۱۹۷۴ء میں لاہور میں منعقد اسلامی سربراہ کانفرنس کا تذکرہ صوفی ضیاء الحق (متوفی ۱۹۸۹ء) نے شاہ فیصل بن عبدالعزیز کی مدح کے ضمن میں کیا ہے۔ اسی طرح پاکستان کی بنیاد کا ذکر محمد علی جناح کے مرثیہ میں اور روس کے افغانستان پر قبضہ کا تذکرہ ڈاکٹر خورشید رضوی نے مجاہدین کے مدحی قصیدہ میں کیا ہے۔

چوتھی خصوصیت:

انیسویں اور بیسویں صدی میں جو ہول ناک واقعات پیش آئے اور جن کا بہت بڑا حصہ برصغیر اور عالم اسلام میں بر پا ہوا، اس کے مقابلہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے

بہت تھوڑا ہے ۔ یہ واقعات ایسے زبردست تھے کہ ہمارے ادباء کا ضمیر جھنجھوڑنے اور اکسانے کے لیے بہت کافی تھے۔ وہ نظم و نثر کو ان واقعات سے بھر دیتے۔ اس سیاسی ادب کا بہت تھوڑا حصہ، جو ہم تک پہنچا ہے، اس کو موضوعات کے تنوع کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اگر برصغیر کے اس ادب کو سلاطین اور ان کے درباروں سے نجات ملی ہوتی تو سوسائٹی سے متعلق بہت قابل قدر ادب پیدا ہوتا۔ لیکن سلاطین نے اس ادب اور ادباء کو دبایا تو وہ سکڑ کر رہ گیا۔

پانچویں خصوصیت:

ادباء نے ان بہت سے اہم موضوعات کو بہت ہلکے اور سطحی انداز سے لیا ہے جو عمیق نظر، گہری فکر اور اچھے تجزیے سے عاری ہے۔ ان ہی موضوعات پر ایرانیوں اور عربوں نے بھی لکھا ہے جو فکر رساں سے پُر ہے ۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ برصغیر کا عربی ادب جب ان موضوعات کی طرف متوجہ ہوا تو اس کو سلاطین کے قبضہ سے نجات پائے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ اس لیے وہ تفکیری لحاظ سے طفل مکتب تھا جو ابھی ابھی محلوں کے اندھیروں سے نکل کر زندگی کی شاہ راہ پر اکڑوں چلنا شروع ہوا تھا۔ تو کیا یہ انصاف کی بات ہوگی کہ ایک بچہ کا موازنہ عالم عرب کے ایک ہٹے کٹے نوجوان سے کیا جائے۔؟

اس کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ جس وقت یہ ادب سلاطین کی زیادتیوں سے آزاد ہو رہا تھا، اسی وقت اقتدار برطانوی استعمار کے قبضہ میں جا رہا تھا۔ جغرافیائی اور سیاسی طور پر بڑی تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔ اس وقت عربی کی ترقی کیا ہوتی، اس ملک میں عربی زبان کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ یہ عظیم الشان زبان علم و ادب کا وسیلہ بننے کے بجائے کسب معاش کا ذریعہ بن گئی تھی۔

چھٹی خصوصیت:

اس ادب کے مطالعہ سے یہ بات زیادہ عیاں ہوتی ہے کہ ہندوستانی عربی

ادب اور عالم عرب کی ادبی سوسائٹی کے درمیان بہت دوری بلکہ مکمل انقطاع تھا۔ حالاں کہ ہندوستانی ادب آزاد ہو چکا تھا، لیکن اس کے باوجود یہ عرب ممالک کے ادبی رجحانات اور وہاں کی اجتماعی اور سیاسی تحریکات سے کسی طرح کا اختلاط نہ پیدا کر سکا۔ شدید حیرت کی بات یہ ہے کہ یہاں کے ادب میں شوقی کا تذکرہ بالکل نہیں ہے، حالاں کہ وہ اپنے اسلامی مزاج کے اعتبار سے ہندوستانی ادباء سے سب سے زیادہ قریب تھے۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب کے لیڈروں میں سے ایک لیڈر (مولانا فضل حق خیرآبادی) کا تجربہ ہے جس سے وہ گذرا۔ ملکہ نے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ لیکن جب وہ وطن واپس لوٹے تو پولیس نے انھیں گرفتار کر لیا اور انڈومان نکوبار کی طرف بدر کر دیا اور ۱۲۷۸ھ میں ان کی وفات ہوگئی۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ انھوں نے ملک بدری کے دوران ایک کتاب اور اشعار تحریر کیے ہیں۔ وہ اپنا تجربہ اپنی کتاب ''الثورة الهندية'' میں ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

هذا ولما ابتلاني النصاری بالحبس بما اختلفوا من الخدع واللبس، نقلوني من سجن الی سجن ومن حزن الی حزن، وزادونی شجناً علی شجن وحزناً علی حزن وسلبونی النعال واللباس، ولبسوا علی کسی الکساء والکرباس، وأخذوا منی فراشاً لیناً حسناً، ومهدوا لی وطاء مؤلماً خشناً، کأنه شوک قتاد، أو جمر وقاد ولم یترکوا عندی ابریقاً ولا قعبا ولا آنیة، وأطعمونی ضنازنا، وسقونی میاها آنیة، فعرضت من حمیم دان بحمیم آن، وبلیت مع مالی من کبر و توان بصغار وهو ان فی کل آن، ثم قذفنی شط الخضم الکالح الی شط الخضم المالح الی جبل مستویل راس اسمه راس لا تزال الشمس فیه علی سمت الراس، فی شعاب صعاب، وعقاب فیها عقاب، وفجاج تغشاها أمواج من بحر لجی ماؤه أجاج، نسیمه أحر من السموم، ونعیمه أضر من السموم، غذاؤه أمر من طعوم العلاقم، وماؤه أضر من سموم الأراقم .....لکنی أرجو رحمة ربی العزیز

الرحیم البر الرؤوف الکریم الذی ینجی الضعفاء العاجزین ..... [1]

پھر انھوں نے جو کچھ نبیوں اور رسولوں کو تکلیفیں پہنچیں ان کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی تکلیفیں دور کیں اور اپنے لیے دعا کی ہے۔

اس تحریر پر آپ غور کریں کہ اصل مسئلہ ہندوستان میں انگریزوں کا استعمار ہے، لیکن پورا زور تحریر ملک بدری پر ہے۔ عبارت میں بے ضرورت سجع کا استعمال ہے۔ اس سارے لفظی کھیل کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ صاحبِ عزت تھے، ان کو بے عزت کیا گیا۔

نثر کے وہ موضوعات جن پر برصغیر کے ادباء نے عربی میں تحریر کیا ہے، ان میں سرسید کی اصلاحی تحریک بھی شامل ہے جو محمد عبدہ کی مصر میں تحریکِ تجدید کی طرح تھی۔ علامہ حالی نے سرسید کے تاثر میں ایک مقالہ ہے، جس میں ان کی شخصیت کے ذریعہ ان کی تحریک کی تصویر کشی کی ہے۔ اس تحریر کا نام انھوں نے ''جملة صالحة'' رکھا ہے۔ اس مقالہ کی چند سطریں درج ذیل ہیں:

فی مآثر ناصح الملة، وموقظهم من نوم الغفلة، الذاب عنهم فی کل فتنة، والناصر لهم عند کل ملمة، الذی جعل همته مقصورة علی اصلاحهم، ورأی لذة حیاته فی نجاحهم وفلاحهم، یهیم لهم ی کل واد کصب هائم ولا یخاف فیهم لومة لائم، أعنی الدکتور سید أحمد خان بن السید متقی بن السید هادی الحسینی نسباً، والمدنی ثم الهروی محتداً، والدهلوی مولداً.

فاعلم ایها المخاطب الجلیل أن هذا الشیخ الأجل الأمجد الهمام، والسید الصندید السمیدع القمقام هو اول من تصدی لاصلاح حال مسلمی الهند فی أواخر المائة الثالثة من الألف الثانی، وأفنی عمره کما أفنی ماله في نصحهم والرأفة بهم والشفقة علیهم والمجاهدة فیهم، وأول من ذب عن الاسلام وسافر لأجل ذلک الی أوروبا، ونشر هناک محاسن الاسلام بین المسیحیین، وطهر ذیله عما افتروا علیه ونسبوا الیه

من المثالب والمساوی، (تعالیٰ عن ذلک علواً کبیراً) وأثبت فضله علی أدیان أخری بدلائل بینة، وبراهین متقنة سلک فیها طریق استدلالهم، ونسج علی منوالهم ..... [۲]

حالی سید احمد خان کی ان کاوشوں اور کوششوں کو شمار کرتے ہیں جو انھوں نے مختلف میدانوں میں اصلاح کے لیے کیں تھیں۔ ترجمہ، تالیف، سیاست، صحافت اور دیگر تمام میدانوں میں جو کارنامے انھوں نے انجام دیے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کا مقصود تو اپنے ہیرو کا تذکرہ تھا، اگرچہ ان کی اس تحریر سے سرسید کی تحریک کے خطوط بھی معلوم ہو گئے۔

اگر برصغیر کی سیاسی نظم کی طرف توجہ مبذول کریں تو اندازہ ہوگا کہ وہ کمیت اور کیفیت میں نثر سے بہت زیادہ ہے۔

خیرآبادی کی نثر آپ نے گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرمائی جس میں انھوں نے اپنی گرفتاری کی روداد تحریر کی ہے۔ اس سلسلہ میں نثر کو انھوں نے کافی نہیں سمجھا اور اپنی حالت پر دو قصیدے تحریر کیے ہیں۔

پہلے قصیدہ میں ملکۂ برطانیہ کے دھوکہ کا ذکر ہے، ساتھ ہی اپنی ملک بدری کا حال بھی بیان کیا ہے۔

الأسر أنأی أسرتی وأقاربی ... مامن حمیم فیه الا الماء
عمیت علی الابناء أنبائی کما ... عمیت علینا منهم الأنباء
أبکی لبعد أقاربی وأحبتی ... ولهم علی فقدی أسی وبکاء
أسکنت وحشاً لایری فیه سوی ... الشیئین الغربان والغرباء
کم نعمة زالت وکم من نعمة ... حالت وحل الضر والضراء
حال النوی بینی وبین أحبتی ... حالا وحال الحال والنعماء
قد سلط الأنصار فی أمصارنا ... أن صار أنصاراً لهم سفهاء
لم یعلموا أن لا وفاء لهم ولا ... أن لا لهم مندوحة ووقاء

والآن اذ نصر النصاری أفرطوا — فی الظلم فاخترم الضعاف جفاء
قتلوا وغالوا جل من آخذوا وهم — مما ادعوا من جرمهم برءا
غالوا برایاهم برایا غیلة — فجرت کما انفجر العیون دماء
کم خرّبوا بلداً ولم یدروابه — بلداً فصار کأنه بیداء
هدوا المساجد والقصور کأنها — لم تبن لم یک ثم قط بناء
قدروا علی الناس المعاش فقدرهم — أن لا غداء عندهم وعشاء
فظهورهم ثقلت بأوزار بما — شحنت بطون صدورهم شحناء
أفهل لعدوان تعدی حده — حد وهل للمعتدین جزاء؟
لم اقترف ذنباً سوی أن لیس لی — مع هؤلاء مودة وولاء
فولاؤهم کفر بنص محکم — مافیه للمرء المحق مراء
کیف الولاء وهم أعادی من له — خلق السما والأرض والانشاء [۳]

اس بیت سے وہ نبی ﷺ کی مدح کرتے ہیں، پھر وہ آپ کا اور آپ کی آل اولاد اور صحابہ کا وسیلہ چاہتے ہیں، تاکہ اللہ ان کی تکلیفیں دور کرے، قید سے رہائی ملے، ظالموں کو شکست ہو اور مظلوم ظلم سے نجات پائیں۔

آپ غور کریں تو اندازہ ہوگا کہ نثر میں جو مطالب بیان کیے تھے وہی نظم میں دہرائے ہیں اور صرف لفظی کھیل ہے، محسنات کی کثرت ہے، جناس کی تمام قسمیں طباق اور توریہ کا بھرپور استعمال ہے۔ دوسرے قصیدہ کا مطلع ہے:

عودی فعودی مریضاً دواؤه عادی — أشفی علی الحین حتی عاده العاد

اس قصیدہ میں بھی وہی معانی و مطالب ہیں اور وہی طریقہ اور اسلوب ہے۔

گہرے سیاسی مسائل، انگریزوں کے استعمار کے نقصانات، مسلمانوں کے ملک کا زوال اور اس جیسے مسائل ہمارے شاعر کے اشعار میں تلاش کرنا بے سود ہے۔ جو کچھ مذکور ہے وہ انسانی حقوق کی پامالی شمار ہوسکتی ہے، اسی طرح عوام اور علماء اور اپنی حکومت کے مخالفین پر انگریزوں کے مظالم کا بیان ہے۔

روس اور عثمانیوں کی ۱۲۹۴ھ کی جنگ ان بین الاقوامی مسائل میں سے تھی جس نے برصغیر کے عرب شعراء کی توجہ پائی، لیکن اس جنگ کے اسباب، عثمانی سلطنت پر اس کے اثرات اور عالم اسلام پر اس کے نقصانات کی کوئی اہمیت نہ تھی، اگر تھی تو صرف یہ تھی کہ جنگ سلطان عبد الحمید اور عالم اسلام کے خلاف ہے۔ جنگ عظیم دوم نے ان کے اندرون کو نہیں سلگایا جب کہ ایٹم بم کا بے دریغ استعمال کیا گیا، فلسطین پر ڈاکہ ڈالا گیا، صبح و شام میں اس کو اسرائیل بنا دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت کوئی حکم راں عبد الحمید جیسا نہیں تھا جس کی تعریف بنیادی طور پر کی جاتی اور ضمنی طور پر واقعات کا تذکرہ کر پاتے۔ اس لیے کہ وہ بین الاقوامی مسائل کو بھی عام طور پر مدح یا مرثیہ کے ذیل میں زیرِ بحث لانے کے عادی تھے۔

ہمارے سامنے دو طویل قصیدے ہیں۔ ایک مولانا فیض الحسن سہارنپوری (م۱۳۰۴ھ) کا، دوسرا ذوالفقار دیوبندی (م۱۳۲۲ھ) کا۔ دونوں سلطان عبد الحمید کی مدح میں ہیں۔

مولانا فیض الحسن سہارنپوری کے قصیدہ کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

أبكی علی بكاء غير منقطع — فلينظر الناس أجفانی و آماقی
حولی كثير من الأعداء همهم — قتلی ومالی دون الله من واق
انی أخاف علی نفسی تألبهم — علی أشفق منهم كل اشفاق
فسوف آوی الی جلد أخی ثقة — ذمر كمی الی التقتال مشتاق
حامی الذمار حمی الأنف ذی أنف — طلق اليدين طويل الباع سواق
شاكی السلاح الی الرايات مبتدراً — صدق المقام الی الغايات سباق
عن آل عثمان سامی الطرف مبتسم — الی الطعان شديد البأس مشتاق
قوم اذا ماغزوا فازوا ببغيتهم — ولا يعودون فی شئ باخفاق
فتيان صدق أولو بأس ذوو كرم — لايجلسون لدی قوم باطراق
بيض كرام لهم مجدو مكرمة — غراء يثنی عليهم كل ملاق ۴۳

مولانا ذوالفقار علی دیوبندی نے ایک قصیدہ اسی بحر میں اسی معنی میں کہا ہے۔ اس میں جنگ کی کوئی تفصیل نہیں ہے، بس سلطان عبدالحمید کی مدح ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

رنت الی بعینی جؤذر فغدا قلبی جریحاً بجرح غیر مندمل
فیابنی الأصفر التزویر شیمتکم تلقیکم خردکم فی الشروالغیل
قولوا لها الآن ان شئتم فلا حکم أن صبّک المبتلی لاتهجری وصلی
ان لم تتب من جفاها قد عزمت علی ان استغیث سلطان الوری البطل
عبد الحمید أمان الخائفین مید الظالمین سدید القول والعمل
کهف الأنام مغیث المستضام له الی أقاصی المعالی أقرب السبل
العادل الباذل المرهوب سطوته فی الجود کالبحربل کالعارض الهطل
غوث الوری خادم الحرمین معتصم ال مکروب غیث الندی یهمی بلامطل
شهم همام أمیر المؤمنین وسلطان السلاطین نجل السادة الأول
یا آل عثمان یا فخر الکرام ویا خیر الأنام لأنتم منتهی أملی ۵

ان اشعار میں شاعر متنبّی سے بہت زیادہ متاثر نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ الفاظ بھی اسی سے ماخوذ ہیں۔ اس لیے کہ دیوان متنبّی کی شرح انھوں نے اردو میں لکھی ہے، جو برصغیر کے دینی مدارس کے نصاب میں شامل ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خلافت عثمانیہ کی کم زوری، مسلمانوں کے احوال کی خرابی اور ان کے اقتدار کا خاتمہ، بادشاہت کے ٹکڑے ٹکڑے ہونا، اس نے بعض ادباء کے جذبات کو برانگیختہ کیا اور انھوں نے متاثر ہوکر شعر کہے۔ علامہ وحید الدین العالی الحیدرآبادی (م۱۳۴۴ھ) نے امت مسلمہ کے مرثیہ کے طور پر ایک ملحمہ لکھا جس میں ۱۱۷ شعر ہیں، جس طرح کہ اندلس کے شاعر صالح بن رندی نے اندلس کا مرثیہ کہا تھا۔ چند اشعار درج ذیل ہیں:

وفتیة عذولنی حین هیج لی نوح الطیور بکاء فیه أشجان
تقول مالک تبکی فی اشتیاقهم لکل طیر لها فی الأیک ألحان

فقلت ويحكم مهلاً لأنى بى | حزن تسعره كالنار أحزان
قلبى به ألم كالنار مضطرم | والدمع منسجم والجفن ملآن
ياراكب الخيل قد طارت به عجلاً | بلغ سلامى صحبى أينما كانوا
طول ادكارى لهم ليلى يطول به | وان يكن منهم للصب نسيان
أين الألى ملكوا شرقاً كما ملكوا | غرباً وسادوا الورى حتى لهم دانوا
أين الألى طلعت شهب العلوم بهم | حتى استنارت بها فى الأرض بلدان
أين الألى رتقوا فتق الورى وحمرا | ديناً به نسخت فى الناس أديان
أين الألى نور الأرجا سراجهم | وزال عنها بهم كفر و طغيان ۲۶

عالم اسلام کے ادباء کو بیسویں صدی میں مشنریوں کے کام سے بڑی تشویش تھی۔ بیسویں صدی کے نصف اول کے جدید عربی ادب، نثر اور نظم دونوں میں اس کے نمونے موجود ہیں۔ جس میں اس مرض کا علاج تحریر کیا گیا ہے۔ برصغیر میں بھی یہ مسئلہ نہایت بھیانک شکل میں موجود تھا۔ انگریزی دور میں عیسائی مشنریوں نے اپنی سرگرمیاں بہت تیز کردی تھیں۔ ادباء کے جذبات کو ان امور نے ابھارا۔ مولانا اصغر روحی (م۱۹۵۴ء) نے ایک قصیدہ عیسائی مشنریز کو مخاطب کر کے کہا ہے:

أعباد المسيح لنا سؤال | نريد جوابه ممن وعاه
اذا مات الاله بصنع قوم | أماتوه فما هذا الاله
وهل بقى الوجود بلا إلٰه | سميع يستجيب لمن دعاه
وهل خلت العوالم من اله | يدبرها وقد سمرت يداه
و كيف اطاقت الخشبات حمل ال | اله الحق شد على قفاه
و كيف دنا الحديداليه حتى | يخالطه ويلحقه أذاه
و كيف تمكنت أيدى عداه | وطالت حيث قد صفعوا قفاه
وهل عاد المسيح الى حياة | أم المحيى له رب سواه
ويا عجباً لقبر ضم رباً | وأعجب منه بطن قد حواه
أقام هناك تسعاً من شهور | لدى الظلمات من حيض غذاه

وشق الفرج مولوداً صغیراً ضعیفاً فاتحاً للثدی فاہ
ویأکل ثم یشرب ثم یأتی بلازم ذاک ھل ھذا الہ؟
تعالی اللہ عن افک النصاری سیسأل کلھم عما افتراہ ؎

پڑھنے والا محسوس کرے گا کہ شاعر نے مشنریوں کی حقیقی اور خطرناک سرگرمیوں، ان کی پلاننگ، انگریزی حکومت کی در پردہ مدد وغیرہ پر کچھ نہیں کہا، وہ تو نصاری کے عقائد کے بارے میں مباحثہ کر رہا ہے اور ان کو باطل قرار دے رہا ہے۔ ہم شاعر سے یہ توقع نہیں کرتے اور نہ کرنا چاہیے کہ وہ سیاست دانوں کی طرح مباحثہ کرے گا، لیکن شاعر نے اتنے اہم موضوع کو بالکل سطحی انداز سے لیا ہے۔

ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کی تاسیس بلاشبہ برصغیر کے لیے بیسویں صدی کا سب سے اہم حادثہ ہے۔ اس حادثہ نے بہت سے لوگوں کو خوش بخت کیا اور بہت سے بدبختی سے دوچار ہوئے۔ اس اہم واقعہ نے شعراء کے جذبات کو نہیں ابھارا۔ اسی طرح محمد علی جناح کی وفات پاکستان کے قیام کے ایک سال بعد یکم ستمبر ۱۹۴۸ء کو ہوئی۔ تقسیم کے وقت جو خون خرابہ ہوا، مسلمانوں نے اپنی جائیدادیں ہندوستان میں چھوڑیں، پاکستان منتقل ہوگئے اور وہاں خیموں میں مقیم رہے۔ پھر ایک ملک حاصل ہوجانے کی خوشی کا اظہار بھی شعر و نثر میں ہونا ضروری تھا۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ برصغیر کا عربی ادب غیر فطری ہے۔ تقسیم پاکستان کا مختصر تذکرہ محمد علی جناح کے مرثیہ میں پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صوفی محمد ضیاء الحق (م ۱۹۸۹ء) نے اس موضوع پر قصیدہ تحریر کیا ہے۔

بعقوتنا غراب البین صاحا أصاب الموت قائدنا الجناحا
اذا الناعی نعاہ لنا صباحا علا صوت الجمیع بواصباحا
أخو ثقة وذو رأی سدید غیور حازم حاز الرباحا
لہ تدبیر ذی حنک حکیم خبیر ماہر طلب اقتراحا
أھیل الھند لم یألوا فساداً فسخّرھم وان کانوا سراحا
مسلمة سیاستہ لدیھم فان اللہ أعطاہ الکفاحا

فطالبهم علی حدة نصیبا — من الملکوت کی نجد النجاحا
سعی لحصول باکستان سعیاً — وکان له من المیثاق تاحا
وأعمل رأیه لحصول هذا — وصیّر عقله الصافی سلاحا
وحالت دون مقصده العزیز — عوائق کلها لکن أزاحا
فلما أن تحصل واستقرت — قواعده فلم یلبث وراحا [۸]

ڈاکٹر صوفی محمد ضیاء الحق نے لاہور سربراہ کانفرنس کے بارے میں اشعار کہے ہیں، جس میں شاہ فیصل نے بھی شرکت کی تھی۔ اس قصیدے پر غور کریں تو نظر آئے گا کہ شاعر یہاں بھول گیا کہ معزز مہمان کے استقبال سے بھی زیادہ اہم موضوعات اس کانفرنس میں زیرِ بحث آئے ہوں گے۔ شاعر خود تسلیم کرتا ہے کہ یہ کانفرنس اندرونی اور بیرونی مسائل کی وجہ سے پاکستان کی جدید تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

أیا ضیفنا أهلاً و سهلاً و مرحبا — علیک سلام الله ماهبت الصبا
ویا زائراً من أرض أکرم بلدة — لها الذکر ما أحلاه فینا واطیبا
فما کان یأتی البحر عطشی لیشربوا — ولکن أتانا الیوم بحر لنشربا
أیا فیصل الملک المعظم لم یکن — لکم نقص أیمان المودة مذهبا
أتانا العدو بغتة متأ سدا — ولما رآکم ناصرین تثعلبا
فصارت بلاد المسلمین جمیعها — بجهدک جسماً واحداً متر کبا
سعیت لتوثیق الروابط بینها — فصرت الی کل القلوب محببا
وأو سعتها فضلاً وأمنت خائفا — وواسیت مظلوماً وأخصبت مجدبا [۹]

یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ برصغیر کے ادباء نے سیاسی ادب کے لیے کچھ موضوعات منتخب نہیں کر رکھے تھے۔ مدحیہ اور مرثیہ قصائد کے چوکھٹے میں جو جی میں آیا کہا۔ ان کا اکثر ادب شخصیات کے ارد گرد گھومتا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ان علاقوں میں عربی ادب امراء اور سلاطین سے جُدا رہا۔

مذکورہ شاعر کے شاگرد ڈاکٹر خورشید رضوی، باوجود یہ کہ اللہ نے ان کو شاعری کا سلیقہ اور سلگتے جذبات عطا کیے ہیں، ان سے بجا طور پر امید تھی کہ وہ روایتی انداز سے باہر نکلیں گے اور مختلف موضوعات و مسائل پر شعر گوئی کریں گے، خاص طور پر جب کہ مسائل اہم اور خطرناک ہوں جیسے جہاد افغانستان وغیرہ کہ اس کو مدح کے دائرہ میں نہ لیا جائے، لیکن غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ برصغیر کے عربی شعری اسکول کا جو طریقہ ہے وہی ان پر بھی حاوی ہے، خلف نے سلف کا طریقہ اخذ کیا ہے۔

خورشید رضوی افغانستان سے متعلق اپنے قصیدے میں کہتے ہیں:

أ اخوتنا الأفغان فيكم بسالة	وفي دار أهل الكفر منها زلازل
رددتم ببأس كيدهم في نحورهم	ولم تخضعوا للخطب والخطب هائل
أقمتم بضرب السيف زيغ قلوبهم	وبالسيف ترتاض النفوس الموائل
يهابونكم رغم الهزال بدابكم	وتخشى الكلاب الليث والليث ناحل
وفيكم خصال للمديح كثيرة	وما عندنا الاقواف قلائل
سيغمركم في الحرب فوز ونصرة	فتعلونهم، لن يغلب الحق باطل [۱۰]

یہاں کے ادباء جو عاصفۃ الصحراء (Dessert Storm) اور کویت کے قبضہ اور اس کے بعد خلیجی جنگ سے متاثر ہوئے وہ بھی مدح سے نہیں نکلے۔ محمد حسین اقبال نے ایک طویل قصیدہ اس مناسبت سے نظم کیا ہے جس کا اکثر حصہ عراقی صدر صدام حسین کی تعریف میں ہے۔ چند اشعار درج ذیل ہیں:

يا قلب صبرا في مجال البلاء	لا تجزع من كثرة الأدواء
عرّج على بغداد مهد حضارة	والكربلاء "حديقة الزهراء"
ومساكن العباد والزهاد والش	هداء والعلماء والقراء
قف عند صدام مليا انه	اسد وحيد حامل الاعباء
صارت بصدام وجوه المسلمي	ن وضيئة كالبدر في الظلماء [۱۱]

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پڑوسی ملک افغانستان برصغیر کے شعراء کے جذبات کو

گرمائے رکھتا ہے، نذیر احمد (م۱۳۳۰ھ) نے افغانستان کے بادشاہ امیر حبیب اللہ کی ہندوستان آمد پر ایک قصیدہ نظم کیا تھا جس میں وہ مسلمانوں کے احوال بیان کرتے ہیں۔ اس قصیدہ کے سیاسی مطالب بھی مدح کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوئے۔ چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

جمعت فیک التقی والملک والأدبا — واللہ انا نری فی شانک العجبا
انا لفی زمن فی أهله خبل — لا یحسنون اکتساب العلم والطلبا
لا سیما المسلمون الغافلون فهم — یرجون أجراً ولا یقضون ماوجبا
المترفون هم الفساق اکثرهم — یبذرون تلاد المال والنشبا
ان انتهوا ینتهوا عن سوء فعلهم — للعجز والضعف لا خوفاً ولا رهبا
أخلاف قوم علوا فی الارض مرتبة — وآمنوا بنبی شرف العربا
ضلوا طریق الهدی والدین قد نبذوا — وراءهم فاستحقوا المقت والغضبا ۱۲

برصغیر میں جس بنیاد پر عربی سیاسی شاعری وجود میں آئی اس سے صرف علامہ حمید الدین فراہی مستثنیٰ ہیں۔ ان کو تنہا عربی زبان کا سیاسی شاعر مانا جاسکتا ہے۔ فراہی (م۱۳۴۹ھ) نے اپنے زمانہ کے موضوعات مدح، مرثیہ اور مواعظ پر شعر نہیں کہے۔ بلکہ ان کے اکثر شعر سیاست پر تھے۔ مولانا بدر الدین اصلاحی نے ان کا ایک مختصر دیوان ۱۹۶۷ء میں شائع کیا ہے۔ اس عہد میں جو موضوعات عالم اسلام کو گھیرے ہوئے تھے اس پر فراہی نے نظمیں کہیں اور قصائد نظم کیے۔ عثمانی سلطنت کے زوال کے دور میں، اٹلی اور لیبیا کی جنگ، عثمانیوں کی اٹلی سے صلح، بلقان کی بغاوت، اور ان تمام واقعات کو عربوں اور مسلمانوں سے مربوط کیا۔ وہ ایک قصیدہ میں گویا ہیں:

کیف القرار وقد نکس — اعالمنا بطر ابلس
نبکی علی اخواننا — بین القتیل ومن حبس
الا فهبوا الیوم فال — اسلام تعیس بل تعس
هل لا ذکرتم ما أصاب — المسلمین بأندلس

هل يذهب الحق النق ی ويغلب الكذب الرجس
والله لا نرضى به مادام فينا من نفس
فاليوم ان لم تدفعوا فليأتين يوم نحس
يبغون قسطنطينی ة وبعها أرض القدس
قد صيح في حجراتها ولتسمعن لها الجرس
فلننصحن أو نقتلن عن قدسنا القوم النجس
واستجمعوا عدداً فما تجری السفين على اليبس
أعنى المراكب والمدا فع والكتائب والحرس
فتأهبوا وتألبوا وتلببوا لوغى ضرس
واستنصروا الله المهى من في العشى وفي الغلس
ولينصرن الله من ينصره فليحتمس ۱۳

ترکوں نے اٹلی حکومت سے صلح کر لی تھی۔ شاعر اس بات سے ناراض ہے۔ ان پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے:

الناهبين بلا دنا والغاصبين لحريتنا
أتسالمون عدونا وتركتمونا بين بينا
هل لا ذكرتم يوم أل قيتم اموركم الينا
كنتم لنا الاخوان اذ في الدين والود استوينا
نحمى الخلافة بالسيو ف البواتر اذا انتقينا
فربت حدائق مجدها بدمائنا لما سقينا
أفبعد ذلک تخاذلو ن وتذهبون فاين اينا
ان العدوهم هم لو تبصرون كما رآينا
لاسلم بالطليان حت ی يتركوا بلدا ثوينا
ننفيهم عن ارضنا لانرعوى عما قضينا
فالموت خير من حيا ة تحتوى ذلاو شينا

صبـــرا اذالـــج الـــوغـــی   لانشتـــکـــی تـعبـــا وایـنـــا
لانـــرهـــب الــطــلـيـــان ان   يستكثروا فلقد كفينا ۱۴ھ

فراہی جنگ بلقان میں مسلمانوں کی تکلیف محسوس کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شبـت عـلـی بـلقان نار الحرب   اشـعـلـنـا بـالـبغی اهل الصليب
لـم تبـق فی الافاق ارض بها ال   اسـلام الا نـــالهـا مـن لهيـب
قـد حـزب الشيـطـان احـزابـه   وحثهـم لـكـل شــروحـوب
شـنـوا عـلـى الاسلام غـاراتهم   يـذهـل فيهـا عـن حبيب حبيب
يـا كـرد يـا تـاتـار يـا كـابـک   يـأكـل مـن اللـه عبـد منيب
يـدعـوكـم الاسـلام جهـرا الـى   ذب العدى عنه فهل من مجيب
وقـومـوا لنصر الحق في قدركم   واستـنفروا من كل مردوشيب
ومستنـصـريـن الـلـه ينصركم   بـنـصـره الموعـود غير الكذوب
فـالآن يـا اخـوان مـابـالـكـم   قـد مـسـكـم مـن الجهاد لغوب
مـــابـــالـكـم لاتـنـفـرون وقـد   حـلّ عـلـى الإسلام يوم عصيب
فـان تـصـبـروا الـلـه لايحزنكم   نصر من الله وفتح قريب ۱۵ھ

فراہی یوروپ کی عالمی جنگ کی شماتت کرتے ہیں اور جو کچھ ہٹلر نے ان کے اور روسیوں کے ساتھ کیا اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اپنے قصیدہ "الـمـلحمة الكبرىٰ" میں لکھتے ہیں:

لـقـد حـل بـالـروم شـرشـر   فـنـــار الـحـرب بهـم تسـعـر
فهـم حـصـب كـا لهشيم اليبی   س يـصـلـونهـا زمـرا فـزمـر
رحـی الـحـرب تطحنهم والدما   ء تـديـر الرحی مثل جری النهر
فـكـم ألف ألف وكـم مثـلهـا   قتيـل وكـم مثـلهـا قـد اسـر
فـكـم ألف ألف وكـم مثـلهـا   عـلـى مـورد مـالـه مـن صـدر
وكـم بـلـدعـا مـر قـد خـوی   وكـم هـو مـن اطـم مشـمـخـر
جـنـتهـا اوربـا ولـكـنهـا   الـى منتهی الشرق ترمی الشرر

فماهی من سنن جاریا   ت ولکنها هی احدی الکبر
فان الاله یجازی العبا   د خیراً بخیرو شراً بشر
ولکنه یمهل الظالمی   ن یبلوهم برهة من عمر
فان لم یتوبوا ویتقو   ه یبطشهم بطشة المقتدر
کذا الروم مما طغوا فی البلاد   یعیشون فی الارض بحر أوبر
اتاح لهم ربهم نقمة   وکانت قضاء وامرا قدر
وکانو دهاة ولکن اذا   أتی قدر الله أعمی البصر
والمان امته حوله   ونما حلیف له مستمر
فقام یبارز عداهٔ   فرنسا وروسیا وانکلتر
وکیف اثنتان بحرب الثلا   ث ولکن المان قوم صبر
وبلجیک سدت علیه الطری   ق اذ عزم الخلفا الختر
فاصبح یری علی سورها   قنابل، مثل جذوع الشجر
فدمرها وسبی اهلها   وماکان الاکلمح البصر
فبلجیک صارت کان لم تکن   کذاک الجزاء القوکفر
وقد علم الناس ماانزلت   علی کانجومن عذاب وضر
ولما قضی النحب منا استمر   رغربا فاضرم فیه السعر
فبینا یذیق فرنسا الهوا   ن، افزعه نبأ من أخر
فکر الی الشرق فاستعجلت   کتائب روس تدلی الدبر [۱۶]

مندرجہ بالا اشعار میں بالکل کایا پلٹ ہے جہاں شاعر محسنات و بدائع کا استعمال بالکل نہیں کرتا، بلکہ اپنے افکار و جذبات بلا واسطہ بیان کرتا ہے۔ انھوں نے کسی بادشاہ کی مدح کی نہ کسی فرد کی، بلکہ موضوعات سے براہ راست تعرض کیا ہے۔ ان کی شاعری کے مطالعہ کے بعد سب یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم ایسے شاعر کے سامنے ہیں جس کے سینہ میں عالم اسلام کا درد ہے۔ لیبیا اٹلی کے قبضہ میں ہے اس سے اسے تکلیف ہے۔ جب مسلمانوں کو سکون ملتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔ یوروپ میں جب جنگ

ہوتی ہے تو وہ اس کی شماتت کرتا ہے۔ وہ اسلامی اتحاد کے شاعر ہیں۔ ان کو جغرافیائی حدود اور نسلی قیود گرفتار نہیں کرسکتیں۔ جب میں ان کے شعر کا مطالعہ کررہا تھا تو مجھے محسوس ہورہا تھا کہ میں اس زمانہ کی معروف اسلامی تحریکات کے کسی شاعر کو پڑھ رہا ہوں۔ ان کی وفات کو پچھتر سال سے زیادہ ہوگئے۔ وہ بہت بڑے مفسر تھے۔ ان کے رشید رضا مصری کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے۔ ہماری رائے میں وہ عربی سیاسی ادب کے امام ہیں۔

حواشی ومراجع

۱۔ باغی ہندوستان، عبدالشاہد خان شروانی، ص۲۹۰-۱۹۶، پاکستان، ۱۹۷۴ء
۲۔ ضمیمہ اردو کلیات نظم حالی، محمد یعقوب مجددی، ص۱۳۴-۱۴۴، الہند۱۳۳۲ھ
۳۔ باغی ہندوستان، ص۳۰۵-۳۰۹
۴۔ دیوان الفیض، ص۴۸-۵۰، نزہۃ الخواطر: ۸/ ۳۶۷-۳۶۹، کراچی، ۱۹۷۶ء
۵۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۱۴۱-۱۴۳
۶۔ منتخب عربی اشعار، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ عربی کا بلیٹن ہندوستان، ۱۹۹۰ء، ص۳۴۷-۳۴۸
۷۔ مولانا اصغر علی روحی، ذوالفقار علی رانا کا عربی ادب پر پی ایچ ڈی تھیسس، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص۳۸۶-۳۸۷
۸۔ ڈاکٹر خورشید رضوی کے شاگرد نے مؤلف کو شاعر کے دیگر اشعار کے ساتھ یہ قصیدہ بھی دیا۔
۹۔ مذکورہ بالا حوالہ
۱۰۔ افغانستان کا مجلّہ مطبوعہ اسلام آباد، جولائی ۱۹۸۶ء، ص۳۳
۱۱۔ حدیث النفس، ص۶۳-۶۴
۱۲۔ نزہۃ الخواطر، ۷/۴۹۶-۴۹۷
۱۳۔ دیوان عبدالحمید فراہی، ص۸-۱۰، پاکستان، ۱۹۶۷ء
۱۴۔ دیوان فراہی، ص۱۳-۱۵
۱۵۔ ایضاً، ص۱۸-۱۹
۱۶۔ ایضاً، ص۲۳-۲۶